

تفہیم القرآن

المزمل

نام | پہلی ہی آیت کے لفظ المَزْمَل کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ صرف نام ہے اس کے مضامین کا عنوان نہیں ہے۔

زمانہ نزول | اس سورہ کے دو رکوع دو الگ زمانوں میں نازل ہوئے ہیں۔

پہلا رکوع بالاتفاق مکی ہے اس کے مضامین اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا یہ سوال کہ یہ مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوا ہے اس کا جواب ہمیں روایات سے تو نہیں ملتا، لیکن اس رکوع کے مضامین کی داخلی شہادت اس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے :

اولاً، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تاکہ آپ کے اندر نبوت کے باغظیم کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حضور کی نبوت کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہوا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منصب کے لیے آپ کی تربیت کی جا رہی تھی۔

ثانیاً، اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز تہجد میں آدھی آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ یہ ارشاد و خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرات کی جاسکے۔

ثالثاً، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی

ہے اور کفار مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رکوع اُس زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔

دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے، لیکن بعض دوسرے مفسرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے، اور اس رکوع کے معنایں سے اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا، اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شہر اور نصاب کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوتی ہے۔

موضوع اور مضامین پہلی سات آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جس کا عظیم کا بار آپ پر ڈالا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے آپ اپنے آپ کو تیار کریں، اور اس کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ راتوں کو اٹھ کر آپ آدھی آدھی رات، یا اس سے کچھ کم و بیش نماز پڑھا کریں۔

آیت ۸ سے ۱۴ تک حضور کو متقین کی گئی ہے کہ سب سے کٹ کر اُس خدا کے ہو رہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اپنے سارے معاملات اُسی کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائیں۔ مخالفین جو باتیں آپ کے خلاف بنا رہے ہیں ان پر صبر کریں، اُن کے منہ نہ لگیں اور ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں کہ وہی ان سے منٹ لیگا۔

اس کے بعد آیات ۱۵ سے ۱۹ تک مکہ کے اُن لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے، متنبہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اُسی طرح تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف بھیجا تھا، پھر دیکھ لو کہ جب فرعون نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی تو وہ کس انجام سے دوچار ہوا۔ اگر فرض کر لو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب آیا

تو قیامت کے روز تم کفر کی سزا سے کیسے بچ نکلو گے؟

یہ پہلے رکوع کے مضامین ہیں۔ دوسرا رکوع حضرت سعید بن جبیر کی روایت کے مطابق اس کے دس سال بعد نازل ہوا اور اس میں نماز تہجد کے متعلق اُس ابتدائی حکم کے اندر تخفیف کر دی گئی جو پہلے رکوع کے آغاز میں دیا گیا تھا۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ جہاں تک تہجد کی نماز کا تعلق ہے وہ تو حتمی با سانی پڑھی جاسکے پڑھ لیا کرو، لیکن مسلمانوں کو اصل انتہام جن چیز کا کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ بچہ قوتہ فرض نماز پوری پابندی کے ساتھ قائم رکھیں، فرضیہ زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خلوص نیت کے ساتھ صرف کریں۔ آخر میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ جو بھلائی کے کام تم دنیا میں انجام دو گے وہ ضائع نہیں جائیں گے بلکہ اُن کی حیثیت اُس سامان کی سی ہے جو ایک مسافر اپنی مستقل قیام گاہ پر پہلے سے بھیج دیتا ہے۔ اللہ کے ہاں پہنچ کر تم وہ سب کچھ موجود پاؤ گے جو دنیا میں تم نے آگے روانہ کیا ہے، اور یہ پیشگی سامان نہ صرف یہ کہ اُس سامان سے بہت بہتر ہے جو تمہیں دنیا ہی میں چھوڑ جانا ہے، بلکہ اللہ کے ہاں تمہیں اپنے بھیجے ہوئے اصل مال سے بڑھ کر بہت بڑا اجر بھی ملے گا۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے
 اسے اور پھل پھٹ کر سونے والے، رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، ادھی رات
 یا اس سے بھی کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھیکر ٹھیکر پڑھو۔
 لے ان الفاظ کے ساتھ حضور کو مخاطب کرنے اور پھر یہ حکم دینے سے کہ آپ انھیں اور راتوں کو عبادت
 کے لیے کھڑے رہا کریں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یا تو آپ سو چکے تھے یا سونے کے لیے چادر اوڑھ کر
 لیٹ گئے تھے۔ اس موقع پر آپ کو اے نبی، یا اے رسول کہہ کر خطاب کرنے کے بجائے ”اے اور پھل پھٹ کر
 سونے والے“ کہہ کر پکارنا ایک لطیف انداز خطاب ہے جس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اب وہ دور
 گزر گیا جب آپ آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتے تھے۔ اب آپ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے
 جس کے نفاذ سے کچھ اور ہیں۔

لے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رات نماز میں کھڑے رہ کر گزارو اور اس کا کم حصہ
 سونے میں صرف کرو۔ دوسرا یہ کہ پوری رات نماز میں گزار دینے کا مطالبہ تم سے نہیں ہے بلکہ آرام بھی
 کرو اور رات کا ایک قلیل حصہ عبادت میں بھی صرف کرو۔ لیکن آگے کے مضمون سے پہلا مطلب ہی
 زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور اسی کی تائید سورہ دہر کی آیت ۲۶ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا
 ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا، رات کو اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو اور رات کا
 طویل حصہ اس کی تسبیح کرتے ہوئے گزارو۔

لے یہ اس مقدارِ وقت کی تشریح ہے جسے عبادت میں گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس میں آپ کو اختیار
 دیا گیا کہ خواہ ادھی رات نماز میں صرف کریں، یا اس سے کچھ کم کر دیں، یا اس سے کچھ زیادہ۔ لیکن انداز
 بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قابلِ ترجیح ادھی رات ہے، کیونکہ اسی کو معیار قرار دے کر کمی و بیشی کا اختیار
 دیا گیا ہے۔

لے یعنی تیز تیز ریاں دواں نہ پڑھو، بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک

ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے ایک آیت پر پھیر دینا کہ ذہن پوری طرح کلام الہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے بھر نہ ہو جائے کہیں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو کہیں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ غرض یہ قراتِ محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے لیے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبیر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات کا طریقہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ آپ اللہ، رحمان اور رحیم کو مد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (بخاری) حضرت ام سلمہؓ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حضورؐ ایک آیت کو الگ الگ پڑھتے اور ہر آیت پر پھیرتے جاتے تھے، مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھ کر رُک جاتے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر پھیرتے اور اس کے بعد رُک کر مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتے (مسند احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی)۔ دوسری ایک روایت میں حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ ایک لفظ واضح طور پر پڑھا کرتے تھے (ترمذی۔ نسائی)۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو آپ کی قرات کا یہ انداز دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے (مسلم، نسائی)۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کی نماز میں جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے اِنَّ تَعٰذِرَہُمْ فَاَتٰہُمْ عِبَادَکَ وَ اَنْ تَغْفِرَ لَہُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو غالب اور دانا ہے، تو اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (مسند احمد۔ بخاری)۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو رات کی نماز کا یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ ایک بھاری کلام ہم تم پر نازل

کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ دن کے اوقات میں

کر رہے ہیں جس کا بار اٹھانے کے لیے تم میں اس کے تحمل کی طاقت پیدا ہونی ضروری ہے، اور یہ طاقت تمہیں اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھو اور آدھی آدھی رات یا کچھ کم بیش عبادت میں گزار کر۔ قرآن کو بھاری کلام اس بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو کسے کس ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا، اور اس کے مطابق عقائد و افکار

اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور اس بنا پر بھی اس کو بھاری کلام کہا گیا ہے کہ اس کے نزول کا تحمل بڑا دشوار کام تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے میرے پیٹھے تھے میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا آب ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے زمانے میں حضور پر وحی نازل ہونے دیکھی ہے، آپ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ پینکنے لگتا تھا بخاری، مسلم، مالک، ترمذی، نسائی، ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب کبھی آپ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی کہ آپ اونٹنی پر بیٹھے ہوں تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹکارتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک نزول وحی کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا (مسند احمد، حاکم، ابن جریر)۔

۴۔ اصل میں لفظ ناشئۃ اللیل استعمال کیا گیا ہے جس کے متعلق مفسرین اور اہل لغت کے چار مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ناشئۃ سے مراد نفسِ ناشئۃ ہے، یعنی وہ شخص جو رات کو اٹھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے مراد رات کے اوقات ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں رات کو اٹھنا اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق محض رات کو اٹھنے پر نہیں ہوتا بلکہ رات کو اٹھنے پر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور مجاہدؓ نے اسی چوتھے قول کو اختیار کیا ہے۔ ۵۔ اصل میں لفظ اُتدَّ وُطِّا استعمال ہوا ہے جس کے معنی میں اتنی وسعت ہے کہ کسی ایک فقرے میں اسے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا اور دیر تک کھڑے رہنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور نفس اس وقت آرام کا مطالبہ کرتا ہے، اس لیے یہ

تو تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لہذا اسی کو اپنا وکیل بنا لو۔ اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ فعل ایک ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبائے اور اس پر قابو پانے کی بڑی زبردست تاثیر رکھتا ہے اس طریقے سے جو شخص اپنے آپ پر قابو پالے اور اپنے جسم و ذہن پر تسلط حاصل کر کے اپنی اس طاقت کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جاتے وہ زیادہ مضبوطی کے ساتھ دین حق کی دعوت کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے کام کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل اور زبان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کے ان اوقات میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا اور اس حالت میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اس کے دل کی آواز نہ ہوتی ہے تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی کے ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کا بڑا کارگر ذریعہ ہے، کیونکہ رات کی تنہائی میں جو شخص اپنا آرام چھوڑ کر عبارت کے لیے اٹھے گا وہ لامحالہ اخلاص ہی کی بنا پر ایسا کرے گا، اس میں ریاکاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت چونکہ دن کی عبادت کی بہ نسبت آدمی پر زیادہ گراں ہوتی ہے اس لیے اس کا انصرام کرنے سے آدمی میں بڑی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے، وہ خدا کی راہ میں زیادہ مضبوطی کے ساتھ چل سکتا ہے اور اس راہ کی مشکلات کو زیادہ استقامت کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

۱۔ اصل میں اَقْوَمَ قَبِيْلًا ارشاد ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہیں ”قول کو زیادہ راست اور درست بنانا ہے۔“ لیکن مدعا یہ ہے کہ اُس وقت انسان قرآن کو زیادہ سکون و اطمینان اور نور کے ساتھ سمجھ کر پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباسؓ اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ اجدران یفقه فی القرآن، یعنی ”وہ اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و خوض کرے“ (ابوداؤد)۔

۲۔ دن کے اوقات کی مصروفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ ارشاد کہ ”اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو“ خود بخود یہ مفہیم ظاہر کرتا ہے کہ دنیا میں ہر طرح کے کام کرتے ہوئے بھی اپنے رب کی یاد سے

ہو جاؤ۔ اِن مَٹھلانے والے خوشحال لوگوں سے نمٹنے کا کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور انہیں ذرا کچھ دیر اسی حالت پر رہنے دو۔ ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں ہیں اور خبر کتنی ہوتی کبھی غافل نہ ہو اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا ذکر کرتے رہو نہ شریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، (الاحزاب، حاشیہ ۶۳)

نہ وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سپرد کر دے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم اردو زبان میں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالہ اپنا مقدمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین کی دعوت پیش کرنے پر تمہارے خلاف مخالفتوں کا جو طوفان اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور جو مشکلات تمہیں پیش آ رہی ہیں ان پر کوئی پریشانی تم کو لاحق نہ ہونی چاہیے۔ تمہارا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب یعنی ساری کائنات کا مالک ہے، جس کے سوا خدائی کے اختیارات کسی کے ہاتھ میں نہیں ہیں تم اپنا معاملہ اُسی کے حوالے کر دو اور مطمئن ہو جاؤ کہ اب تمہارا مقدمہ وہ لڑے گا، تمہارے مخالفین سے وہ نمٹے گا اور تمہارے سارے کام وہ بنائے گا۔

اللہ الگ ہو جاؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے مقاطعہ کر کے اپنی تبلیغ بند کر دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ نہ لگو، ان کی بہبودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو، اور ان کی کسی بخیریت کا جواب نہ دو۔ پھر یہ احتراز بھی کسی غم اور غصے اور مَٹھجھلاہٹ کے ساتھ نہ ہو، بلکہ اُس طرح کا احتراز ہو جس طرح ایک شریف آدمی کسی بازاری آدمی کی گالی سُن کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل کچھ اس سے مختلف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو یہ ہدایت فرمائی۔ اصل میں تو آپ پیسے ہی سے اسی طریقہ پر عمل فرما رہے تھے، لیکن قرآن میں یہ ہدایت اس لیے دی گئی کہ کفار کو بتایا جائے کہ تم جو حرکتیں کر رہے ہو ان کا جواب نہ دیجئے کی وجہ کمزوری نہیں ہے بلکہ اللہ نے ایسی باتوں کے جواب

آگ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔ یہ اُس دن ہوگا جب زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے اور پہاڑوں کا حال ایسا ہو جائے گا جیسے ریت کے ڈھیر ہیں جو کبھرے جا رہے ہیں۔
نعم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون میں اپنے رسول کو یہی شریفانہ طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

۱۲۔ اِن الفاظ میں صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مکہ میں دراصل جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے اور طرح طرح کے فریب و دیکر اور تصبات اُبھار کر عوام کو آپ کی مخالفت پر آمادہ کر رہے تھے وہ قوم کے کھاتے پیتے، پیٹ بھرے، خوشحال لوگ تھے، کیونکہ انہی کے مفاد پر اسلام کی اس دعوت اصلاح کی زد پڑ رہی تھی۔ قرآن میں بتا ہے کہ یہ معاملہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ تھا نہ تھا بلکہ ہمیشہ ہی گمراہ اصلاح کی راہ روکنے کے لیے سنگ گراں بن کر کھڑا ہوتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوا لعنات، آیات ۶۰-۶۶-۷۵-۸۸۔ المؤمنون ۳۳- سبا، ۳۴-۳۵۔ الزخرف، ۲۳۔

۱۳۔ جہنم میں بھاری پٹریاں مجرموں کے پاؤں میں اس لیے نہیں ڈالی جائیں گی کہ وہ بھاگ نہ سکیں بلکہ اس لیے ڈالی جائیں گی کہ وہ اٹھ نہ سکیں۔ یہ فرار سے روکنے کے لیے نہیں بلکہ عذاب کے لیے ہوں گی۔

۱۴۔ چونکہ اُس وقت پہاڑوں کے اجزاء کو باندھ کر رکھنے والی کشش ختم ہو جائے گی، اس لیے پہلے تو وہ باریک بھر بھری ریت کے ٹیلے بن جائیں گے، پھر جزلہ جزلہ زمین کو ہلارہا ہوگا اس کی وجہ سے یہ ریت کھجرجھجے گی اور ساری زمین ایک چٹیل میدان بن جائے گی۔ اسی آخری کیفیت کو سورۃ طہ آیات ۵-۱۰ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ”لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا کہو، میرا رب ان کو دھول بنا کر اُٹا دے گا اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں تم کوئی بل اور سونٹ نہ دیکھو گے“

۱۵۔ اب تم کہہ کے اُن کفار کو خطاب کیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے اور آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔

۱۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر گواہ بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ دنیا میں اُن کے سامنے اپنے قول اور عمل سے حق کی شہادت دیں، اور یہ بھی کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت برپا ہوگی، اُس وقت آپ یہ گواہی دیں کہ میں نے ان لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا مگر وہ شریعت کے

کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ (پھر دیکھ لو کہ جب، فرعون نے اُس رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اُس کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اگر تم ماننے سے انکار کرو گے تو اُس دن کیسے بچ جاؤ گے جو بچوں کو بڑھاکہ دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا؟ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

اٹھنے ہی، تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور

یہ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، النور، حاشیہ ۴۴، النساء، حاشیہ ۶۴، جلد دوم، النمل، آیات ۴۴ و ۴۵، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۸۲، جلد پنجم، الفتح، حاشیہ ۱۱۴۔

یعنی اول تو نہیں ڈرنا چاہیے کہ اگر ہمارے بھیجے ہوئے رسول کی بات تم نے نہ مانی تو وہ بُرا انجام نہیں دینا ہی میں دیکھنا ہوگا جو فرعون اس سے پہلے اسی جرم کے نتیجے میں دیکھ چکا ہے لیکن اگر فرض کرو کہ دنیا میں تم پر کوئی عذاب نہ بھی بھیجا گیا تو روز قیامت کے عذاب سے کیسے بچ سکو گے؟

۱۱۔ یہ آیت جس کے اندر غارتہ تہجد کے حکم میں تخفیف کی گئی ہے، اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مسند احمد، مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت منقول ہے کہ پہلے حکم کے بعد یہ دوسرا حکم ایک سال کے بعد نازل ہوا اور رات کا قیام فرض سے نقل کر دیا گیا۔ دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے یہ نقل کی ہے کہ یہ حکم پہلے حکم کے ۸ مہینے بعد آیا تھا، اور ایک تیسری روایت جو ابن ابی حاتم نے انہی سے نقل کی ہے اس میں سولہ مہینے بیان کیے گئے ہیں۔ ابوداؤد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک سال کی مدت نقل کی ہے۔ لیکن حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ اس کا نزول دس سال بعد ہوا ہے (ابن جریر و ابن ابی حاتم)۔ ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ پہلے رکوع کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں نازل ہوا ہے اور وہاں بھی اُس کا نزول ابتدائی دور میں ہوا ہے جبکہ حضورؐ کی نبوت کا آغاز ہونے پر زیادہ سے زیادہ چار سال گزرے ہونگے بخلاف اس کے یہ دوسرا رکوع اپنے مضامین کی صریح شہادت کے مطابق مدینہ کا نازل شدہ معلوم ہوتا ہے جب کفّار سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ اس بنا پر لا محالہ ان دونوں رکوعوں کے زمانہ نزول میں کم از کم دس سال کا فاصلہ ہی ہونا چاہیے۔

کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو، اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ یہ عمل کرتا ہے۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات کا حساب رکھتا ہے، اُسے معلوم ہے کہ تم لوگ اوقات کا ٹھیک شمار نہیں کر سکتے، لہذا اس نے تم پر مہربانی فرمائی، اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اُسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہونگے، کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں، اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ

۱۹ اگرچہ ابتدائی حکم آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش کھڑے رہنے کا تھا، لیکن چونکہ نماز کی محویت میں وقت کا اندازہ نہ رہتا تھا، اور گھڑیاں بھی موجود نہ تھیں کہ اوقات ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکیں، اس لیے کبھی دو تہائی رات تک عبادت میں گزر جاتی تھی اور کبھی یہ مدت گھٹ کر ایک تہائی رہ جاتی تھی۔

۲۰ ابتدائی حکم میں صرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خطاب کیا گیا تھا، اور آپ ہی کو قیام میل کی ہدایت فرمائی گئی تھی، لیکن مسلمانوں میں اس وقت حضور کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا جو غیر معمولی جذبہ پایا جاتا تھا اس کی بنا پر اکثر صحابہ کرام بھی اس نماز کا اہتمام کرتے تھے۔

۲۱ چونکہ نماز میں طول زیادہ تر قرآن کی طویل قرات ہی سے ہوتا ہے، اس لیے فرمایا کہ تہجد کی نماز میں جتنا قرآن سہولت پڑھ سکو پڑھ لیا کرو، اس سے نماز کی طوالت میں آپ سے آپ تخفیف ہو جائے گی اس ارشاد کے الفاظ اگرچہ بظاہر حکم کے ہیں، لیکن یہ امر متفق علیہ ہے کہ تہجد فرض نہیں بلکہ نفل ہے حدیث میں بھی صراحت ہے کہ ایک شخص کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا اس کے سوا بھی کوئی چیز مجھ پر لازم ہے جواب میں ارشاد ہوا ”نہیں، الا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کچھ پڑھو“ (بخاری و مسلم)۔

اس آیت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز میں جس طرح رکوع و سجود فرض ہے اسی طرح قرآن مجید کی قرات بھی فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسرے مقامات پر رکوع یا سجود کے الفاظ استعمال کر کے نماز راہی ہے، اسی طرح یہاں قرآن کی قرات کا ذکر کیا ہے اور مراد اس سے نماز میں قرآن پڑھنا ہے اس استنباط پر اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب نماز تہجد خود نفل ہے تو اس میں قرآن پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز بھی جب آدمی پڑھے تو اس میں نماز کی تمام شرائط پوری کرنا اور اس کے تمام ارکان و فرائض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نفل نماز کے لیے کپڑوں کی ہلات

ایک رو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے اگے بھجوا گے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے، وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اللہ سے مغفرت جسم کا پاک ہونا، وضو کرنا، اور ستر چھپانا واجب نہیں ہے اور اس میں قیام و قعود اور رکوع و سجود کی نفل ہیں۔
۳۲ جاننا اور سلال طریقوں سے رزق کمانے کے لیے سفر کرنے کو قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۳ یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری کے علاوہ ان دونوں کاموں کو نماز تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جاننا طریقوں سے روزی کمانے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من جالب یجلب طعاما الی بلد من بلدان المسلمین فیلبیغہ لیسعروہ لہ الا کانت منزلتہ عند اللہ ثمر قدأمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آخرون یضربون فی الامرض . . . جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ لے کر آیا اور اس روز کے بھاؤ پر اسے بیچ دیا اس کو اللہ کا قرب نصیب ہوگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی (ابن مردؤیہ)۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا ما من حال یا یتینی الموت بعد الجہاد فی سبیل اللہ احب الی من ان یا یتینی وانا بین شعبتی جبل الشمس من فضل اللہ وقدأخذہ الآیۃ جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجاتے، پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی (ذہبی فی شعب الایمان)۔

۳۴ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد جو قوتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

۳۵ ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرنا ہے، خواہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو، یا بنیاد گاہ خدا کی مدد ہو، یا رفاہ عام ہو، یا دوسرے بھلائی کے کام۔ اللہ کو قرض دینے اور اچھا قرض دینے کے مطلب کی تشریح ہم اس سے پہلے متعدد مقامات پر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حاشیہ ۲۶۷، المائدہ، حاشیہ ۳۲، بقرہ، حاشیہ ۱۶۔

مانگتے ہو، بے شک اللہ بڑا غفور و رحیم ہے یا

۲۶ مطلب یہ ہے کہ تم نے آگے اپنی آخرت کے لیے جو کچھ بھیج دیا وہ تمہارے لیے اُس سے زیادہ نافع ہے جو تم نے دنیا ہی میں روک رکھا اور کسی بھلائی کے کام میں اللہ کی رضا کی خاطر خرچ نہ کیا۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اُنیکم مالہ احب الیہ من مال وارثہ؟ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ فرمایا اعلمو ما تقولون۔ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا مال واقعی یہی ہے اس پر حضورؐ نے فرمایا: انما مال احدکم ما قدم و مال وارثہ ما اٹخو۔ تمہارا اپنا مال تو وہ ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لیے آگے بھیج دیا۔ اور جو کچھ تم نے روک کر رکھا وہ تو وارث کا مال ہے۔ (بخاری۔ نسائی۔ مسند ابویعلیٰ)